اوامر شرعیہ میں تیسیر کے پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ

A researched study of facilitation aspects in the Islamic injunctions

ڈاکٹر عائشہ صنوبر*

ڈاکٹر محمد علی**

ABSTRACT

Research study of aspects of Taseer in Sharia orders

Islam is the complete code of life. Islam is sensible in all its aspects and practices. Islam looks to the benefit of the society from a general perspective. The purpose of Islam is to promote the welfare of the people, which lays in security of their faith, their life their intellect their posterity, their wealth. Shari'ah distinguish two principal branches of law, ibadat (rituals) and mu'amlat (social relations). Islamic Law is flexible and applicable in whatever physical and geographical condition, due to its international and eternal address to all human being. Therefore, it is consider in institution of Ahkam, different situations faced by mankind, and creates out ways according to need of time and addressed person. In this article study of commands of Allah almighty will be studied from such of facilitating aspect. Needs and comforts are things which people seek ensure a good life and avoid hardship. That how disabled, patient, and other troubled peoples has been backed in following command of Islamic law. The study will be purely research based and supported by authentic sources of Islamic law.

Keywords: *Islam is the religion of Mercy, Aspects of ease in shari'ah Commands, Needs and Comforts, Flexibility in Application of shari'ah, Aspects of ease in ibadat, Aspects of ease in social relations.*

* اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، سردار بہادر خان وومینز یونیورسٹی کوئٹہ

** ریسرچ آفیسر، شعبہ سیرت و تحقیق، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی، اسلام آباد

مقدمہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد سے قبل بنی نوع انسان کے مختلف گروہوں کا مذہبی اعتبار سے رویہ زندگی کے بارے میں افراط و تفریط پر مبنی تھا۔ ایک گروہ دنیاوی زندگی کو محض ایک حادثے کا نتیجہ قرار دیتے اور ان کا مطمع نظر مادیت کے سوا کچھ نہ تھا۔ لہٰذا اس گروہ کی تمام تر سرگرمیاں زر و مادیت کے گرد گھومتی تھیں۔ جبکہ ایک دوسرے گروہ نے نجات کا ذریعہ مادی زندگی کو ترک کرنے میں ہی سمجھا، ان کے نزدیک سچی مذہبیت، رہبانیت ہی سے حاصل ہوتی تھی، اسلام نے زر کی غلامی کے ساتھ ساتھ رہبانیت کی بھی مذمت کی ہے۔ اسلام نے ان دونوں رویوں کے درمیان اعتدال کی راہ اپنائی۔ یہ اعتدال دین و دنیا کی کا بہترین امتزاج ہے، یعنی ایک انسان زندگی کو اللہ کے احکام و قوانین کے مطابق اس طرح بسر کرے کہ تو دنیاوی نعمتوں سے استفادہ کے ساتھ ساتھ مذہبی احکام کی روحانی لطافتوں سے بھی بہرہ مند ہو۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾[1]

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (ﷺ) تم پر گواہی دیں گے“

دین میں اعتدال کی راہ کو چھوڑ کر مشکل پسندی اختیار کرنا حرج و تنگی کا باعث ہے۔ اگر تاریخ انسانی کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو گی کہ مشکل پسندی کا رجحان دور قدیم سے رہا ہے مختلف مذہبی گروہوں نے ایسی مشقتیں اختیار کی ہیں کہ انسانی طبیعت اس کا بوجھ برداشت کرنے سے قاصر رہی، دین اسلام کا مقصد انسانیت کو ایسی لاحاصل مشقتوں سے چھٹکارا دلانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان مشقتوں اور مشکلوں سے نجات دلانے کے لیے آئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾[2]

۱۔ البقرۃ:۱۴۳

۲۔ الاعراف:۱۵۷

ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اس پر لادے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

اسلام ایک متعدل، اصولی، جامع، آفاقی، دائمی اور عقلی دین ہے۔ جس میں دین دنیا الگ الگ خانوں میں بٹے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں موافقت و مخالفت، محبت و نفرت اور یگانگت و علیحدگی کے ضوابط موجود ہیں ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کا نصب العین واضح اور مقاصد متعین ہیں۔ اشرف المخلوقات بنی آدم کو جہاں اللہ نے عقل اور شعور کے ذریعے قوت اور طاقت سے نوازا ہے وہاں بہت ساری جسمانی علائق اور مجبوریوں کے ذریعے اس کے پاؤں بھی جکڑے گئے ہیں انہی بشری تقاضوں کے پیش نظر رب کریم نے اپنے دائمی احکامات میں بہت سارے احکام ایسے بھی مشروع قرار دیئے ہیں جو عام اصول اور قواعد سے ہٹ کر ہیں تاکہ انسان کسی قسم کے حرج کا شکار نہ ہو اور آسانی سے شریعت اسلامیہ کے احکام کی بجاآوری کر سکے۔ اس مقالے میں اس قسم کے احکام کا مطالعہ کیا جائے گا کہ اوامر میں شارع نے انسانوں کو کتنی سہولتیں دی ہیں اور یسر کے پہلو پیدا فرمائے ہیں۔ کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اس کی تعلیمات بھی دائمی اور ابدی حیثیت کی حامل ہیں۔ حالات و زمانہ کے مطابق نت نئے مسائل کا مکمل حل دین اسلام کے سنہری آفاقی اصول کی روشنی میں ہی ممکن ہے۔ اسلام دین فطرت اور انسانی مصالح و فلاح کا ضامن ہے۔ اور اسلام میں جن احکام کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے ان کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود ہے۔

اوامر شرعیہ کا مفہوم

اوامر شرعیہ سے مراد وہ احکام ہیں، جن کا حکم شریعت اسلامیہ میں دیا گیا ہے۔ اوامر کی واحد امر ہے، فقہاء کرامؒ "امر" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اللَفْظُ الْمُوْضُوْعِ لِلْطَلَبِ الْفِعْلِ عَلىٰ سَبِيْلِ الْإِسْتِعْلَاءِ[۱]، یعنی امر ایسا لفظ ہے جو کسی فعل کے کرنے کے مطالبہ کے لیے وضع کیا گیا ہو اور اس مطالبہ میں برتری و بالادستی پائی جاتی ہو۔ اس تعریف میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں اوّل یہ کہ تعریف میں " عَلىٰ سَبِيْلِ الْإِسْتِعْلَاءِ (بطریق بالادستی) کی قید ہے۔ یہ قید اس بات کو بتلاتی ہے کہ حکم دینے والا کا حقیقت میں بلند و بالادست ہونا شرط نہیں۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ خود کو بلند و بالادست سمجھتا ہو خواہ فی الواقع بالادست ہو یا نہیں۔ اور وہ حکم بالادستی کی بنیاد پر صادر کرے۔

۱۔ العنزي، عبد اللہ بن یوسف بن عیسی، تیسیر علم أصول الفقہ، مؤسسة الریان للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت ـ لبنان، الطبعة: الأولی، ۱۴۱۸ھ ـ ۱۹۹۷م ص:۱/ ۲۴۰

علماء کا اس پر متفق ہیں کہ "امر" اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ خصوصی قول ہے جو حکم کے لئے ہو۔ جمہور علماء کہتے ہیں کے امر مجازاً فعل کو بھی کہتے ہیں۔

امر عربی زبان میں صیغہ ءانشائیہ معرفہ کے ساتھ کسی کام کے کرنے کو طلب کیا جاتا ہے۔ اور اکثر علماء کے نزدیک "امر" کا اطلاق لغت اور اصطلاح دونوں میں وجوب کے لئے ہوتا ہے الّا یہ کہ کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کی وجہ سے اصل سے عدول ہو چنانچہ کبھی یہ استحباب، اباحت اور ارشاد وغیرہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔[1] جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ[2] ترجمہ: اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔

اس آیت میں امر سے فرعون کا فعل مراد ہے۔ یہاں سبب کا مسبب پر اطلاق کیا گیا ہے۔ امر وجوب کا متقاضی ہوتا۔ یعنی صیغہ ءامر (حکم) کسی کام کے لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔[3]

أَلْاَمْرُ بعد الحضر يَكُوْنُ لِلْوُجُوْبِ عِنْدَ الْأَكْثَرِ وَلْأُبَاحَةِ عِنْدَ اِبْنِ الحَاجب وَجَمْهُوْرالْفُقْهَاءِ[4]

اکثر فقہاء کی رائے میں "امر" وجوب کے لیے ہوتا ہے، جبکہ جمہور فقہاء اور ابن حاجب کے نزدیک "امر" مباح کرنے کے لیے آتا ہے۔

صیغہ امر میں مفہوم و معنی کا تعدد، تنّوع اور درجہ بندی میں تخفیف و سہولت کا ایک پہلو یہ نظر آتا ہے کہ زمانہ کے بدلتے حالات اور مسائل حیات کی رعائت کے پیش نظر، دین کے بنیادی ڈھانچے کو نقصان پہنچائے بغیر صیغہٗ امر کو وجوب کی جگہ مستحب پر محمول کرنا اور انفرادی شخصی معاملات میں آسانی پیدا کی جا سکتی ہے۔

۱۔ الوزیر، أحمد بن محمد بن علی، المصفیٰ فی اصول الفقہ، توزیع دار الفکر بدمشق، ۲۰۰۲ء، ص:۴۲۷

۲۔ هود:۹۷

۳۔ الشوكاني محمد بن علي بن محمد بن عبد الله اليمني (المتوفى: ۱۲۵۰ھ) إرشاد الفحول إلي تحقيق الحق من علم الأصول، دار الكتاب العربي، ط:۱۴۱۹ھ۔، ص:۱/۲۴۲/الآمدي أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي (المتوفى: ۶۳۱ھ)، الإحكام في أصول الأحكام، المكتب الإسلامي، بيروت-دمشق-لبنان، ص:۲/۱۳۶

۴۔ الوزیر،، المصفیٰ فی اصول الفقہ،، ص:۴۳۵

تیسیر کا مفہوم

یسر الشئ لفلان۔ آسان کرنا، توثیق دینا۔ الیسر والیسر والسیارۃ: آسانی، نرمی، تونگری تیاسر باہم آسانی پیدا کرنا[۱] آسانی، آرام، سہولت ، دولت، ثروت، تونگری، امیری، اقبال مندی خوش حالی، فراخ دستی، فارغ البالی۔ یسر کی ضد عُسر ہے بمعنی تنگی ہے[۲]۔

شرعی احکام اور اصولی ضابطے اس لحاظ سے آسان ہیں کہ کوئی متبادل اصولی و اجتماعی حکم ایسا ممکن نہیں جو اتنا آسان ہو اور اتنے بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہو۔

> قيام الشريعة علي اليسر ونبذها للعسر :وفي ذلك مراعاة كاملة لطبيعة الأنسان المبنية علي الضعف ضعف البينة ضعف الاحتمال ,ضعف الأرادةوالاصطبار ,وأساس ذلك كله محدودية الطاقةوالاقتدار و يستدل علي اعتماد التيسير.[۳]

شریعت کا قیام یسر پر ہے۔ تمام تر مراعات کے باوجود انسان طبعی طور پر خفیف ہے۔ مثلاً بیان میں ضعف، احتمال میں ضعف، ارادہ و عمل میں ضعف ہے۔ جبکہ انسان فکر طاقت اور اقتدار محدود ہیں۔ اور یہ قرآن میں تیسیر پر اعتماد اور تعسیر (تنگی) کو نظر انداز کرنے پر دلیل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[٤]

" اللہ تم پر کوئی حرج نہیں کرنا چاہتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے رخصت عطا فرما کر مشقت سے بچایا ہے۔ یہ سراسر اللہ کی رحمت کا ظہور ہے اوراحکام اسلام میں آسانی ہے۔[۵] یسر اور آسانی کی بہت کی مثالیں احادیث میں بھی ملتی ہیں، جیسا کہ

۱۔ بلیاوی، مولانا عبد الحفیظ، ابو الفضل، ص:۱۰۱۸ مصباح اللغات قدیمی کتب خانہ، کراچی –

۲۔ کیرانوی، مولانا وحید الزمان، قاموس الوحید۔ ادارۂ الاسلامیات۔ لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۱۳۵۰

۳۔ امیر، عبد العزیز، ڈاکٹر، اصول الفقہ الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء) دار اسلام للطباعۃ والنشر والتوزیع، ص:۱ / ۱۶۲

۴۔ البقرۃ:۱۸۵

۵۔ البخاري، محمد بن إسماعيل، أبو عبد الله، صحيح البخاري، دار ابن كثير، اليمامة-بيروت، ط، ۱۹۸۷، كتاب الأدب باب قول النبي صلى الله عليه وسلم يسروا ولا تعسروا، حديث:۵۷۷۳، ص:۵ / ۲۲۶۹

حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس موقع پر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: خوشخبریاں دینا، نفرت نہ دلانا، آسانیاں کرنا، سختیاں نہ کرنا، آپس میں اتفاق سے رہنا، اختلاف نہ کرنا[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ[2] "اللہ تعالی آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا ہے" اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ[3] اس نے تم کو پسند کیا اور تم پر دین میں کوئی مشکل نہیں رکھی ہے۔

اسلام فطری دین ہے اور انسانی فطرت اور بشری کمزوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکامات میں آسانی اور سہولت رکھی گئی ہے۔ اور ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ حالات و زمانہ ایک حالت پر نہیں بلکہ بدلتے رہتے ہیں جس کی بناء مرور زمان کے ساتھ نت نئے مسائل در پیش رہتے ہیں۔ ان کے حل کے لئے حالات و زمانہ کی رعائت ضروری ہے۔

وبذلك فأن شريعة الأسلام قد بنيت علي السهولة والبساطةواليسر ,خلاقا لملل السابقة التي كان سمتهاالمغالاة والتشد يد,لكن الأسلام الذي جئ به ليكون دين البشرية طيلة الدهر,قد جعله الله,سهلا ميسرا و مر غوبا ,لا مكان فيه للغو أو الأفراط أو التنطع,وذلك في كل جانب من جوانب الأسلام ;سواء في ذلك ألعبادات أو المعاملا ت أو غير ذلك من وجوه السلوك والتعامل[4]

اور اسی طرح شریعت اسلام کی بنیاد سہولت کشادگی اور آسانی پر رکھی گئی ہے۔ بخلاف اس آمیزہ کے جس کو شدت اور غلو کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام ایک بشری دین (روشن زمانہ) لے کر آیا ہے۔ تحقیق اللہ نے اسلام کو سہولت والا، آسان اور رغبت والا بنایا ہے۔ اور غلو، افراط و تفریط کی اس میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اس میں معاملات وعبادات کو یکساں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور اس میں تمام سلوک اور معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔"

۱۔ ابن کثیر، إسماعيل بن عمر (المتوفى: ۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیة، منشورات محمد علي بيضون- بيروت، ط: ۱۴۱۹ ھ، ص: ۱/ ۳۷۰

۲- المائدۃ:۶

۳۔ الحج:۷۸

۴۔ امیر عبد العزیز، ڈاکٹر، اصول الفقہ الاسلامی، ص: ۱/ ۱۶۴-۱۶۲

اوامر شرعیہ کی تقسیم

اوامر الشرعیہ کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں

۱۔ عبادات ۲۔ معاملات

۱۔ عبادات: عبادت، عبد سے ماخوذ ہے عبد کے معانی بندگی اختیار کرنا۔ اور قرآن پاک میں عبادت بمعنیٰ بندگی آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾۔[۱]

"اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں۔

عبادات میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام سے بحث ہوتی ہے۔[۲] نماز اور روزہ بدنی عبادت، زکوٰۃ مالی عبادت اور حج بدنی و مالی عبادت ہے۔ نماز کی بنیادی شرائط میں طہارت کا ہونا ضروری ہے اس لئے نماز کے باب میں آسانیوں کا مطالعہ کرنے سے قبل طہارت کے موضوع پر شریعت کی دی گئی آسانیوں کو بیان کرنا ضروری ہے۔

۱۔ طہارت

طہارت لغت میں نجاست حقیقی سے پاکی اور نزاہت حاصل کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مطلق نجاست سے پاکی حاصل کرنا طہارۃ ہے، نجاست خواہ حقیقی ہو یا حکمی۔ طہارت کو نماز پر مقدم کیا اس لیے کہ وجودی اعتبار سے طہارت باقی تمام شرائط پر مقدم ہے۔[۳]

طہارت کے دو طریقے شریعت نے بتائے ہیں وضو اور غسل چنانچہ حالت حدث اصغر میں وضو اور حدث اکبر میں غسل کی فرضیت کے بارے میں بالترتیب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾[٤]

۱۔ الذاریات:۵۶

۲۔ ڈھلوں، عرفان، خالد ڈاکٹر، علم اصول فقہ کا تعارف، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ط:۲۰۰۱، ص:۱/۱۳

۳۔ المرغیناني، علي بن أبي بکر بن عبد الجلیل الفرغاني أبو الحسن برهان الدین (۵۳۰ - ۵۹۳ھ)، الهدایة، شریعۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ط ۲۰۰۶، ص:۱/۲۸۱

۴۔ المائدہ:۶

ترجمہ:"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تم منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھولیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو"

اس آیت مبارکہ میں وضوء اور غسل کی فرضیت کا حکم دیا گیا ہے۔ انسانی زندگی میں مختلف حادثات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ لہذا کبھی ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ پانی کی عدم دستیابی یا کوئی معذوری یا مرض وضو یا غسل کے فرض کی ادائیگی میں آڑے آجاتی ہے۔ اس مشکل یا مسئلہ کے حل کے لیے اللہ رب العزت نے تیمم کی سہولت فراہم کی ہے۔" تیمم وضو اور غسل کا قائم مقام ہے اور منجملہ ان جلیل القدر نعمتوں کے جو امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہیں۔ اگلی امتوں میں تیمم نہ تھا۔ خیال کرو کہ جب ان کو پانی نہ ملتا ہو گا تو وہ لوگ کیا کرتے ہوں گے یا اسی طرح نجاست کی حالت میں نماز وغیرہ پڑھتے ہوں گے یا نماز ان کو چھوڑنا پڑتی ہو گی"[1]

تیمم کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [2]

(ترجمہ):"اور اگر بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے ہو کر آیا ہو یا عورتوں سے صحبت کی ہو اور پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک اور صاف ستھری مٹی سے تیمم کر لو۔ (یعنی) اپنے مونہہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لو۔ اور اللہ تعالیٰ تم پر کوئی تنگی نہیں کرنا چاہتا لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم کو صاف ستھرا رکھے اور یہ بھی کہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر گزار بنو"

۱۔ لکھنوی، عبد الشکور فاروقی، مولانا، علم الفقہ، دار الاشاعت، کراچی، ط:۱۹۶۵، ص:۱۱۷-۱۱۶

۲۔ المائدہ:۶

اس آیت مبارکہ میں تیمّم کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور تیمّم کے مباح ہونے کی بعد یہ بات بتائی گئی ہے کہ اللہ تنگی کا معاملہ نہیں چاہتا بلکہ آسانی چاہتا ہے۔ لٰہذا حالت سفر میں اور مرض کی حالت میں یا پانی نہ پانے کی صورت میں تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

تیمّم کے واجب ہونے کی شرطیں

- مسلمان ہونا۔ کافر پر تیمّم واجب نہیں۔
- بالغ ہونا، نابالغ پر تیمّم واجب نہیں۔
- عاقل ہونا، دیوانہ اور میت اور بے ہوش پر تیمّم واجب نہیں۔
- حدث اصغر یا اکبر کا پایا جانا جو شخص دونوں حدثوں سے پاک ہو اس پر تیمّم واجب نہیں۔
- جن چیزوں سے تیمّم جائز ہے ان کے استعمال پر قادر ہونا۔ جس شخص کو ان کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ اس پر تیمّم واجب نہیں۔
- نماز کے وقت کا تنگ ہو جانا شروع وقت میں تیمّم واجب نہیں۔
- نماز کا اس قدر وقت ملنا جس میں تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہو، اگر کسی کو اتنا وقت نہ ملے تو تیمّم جائز نہیں۔[۱]

۲۔ نماز

نماز کے لئے عربی میں صلوٰۃ کا لفظ ہے۔ صلوٰۃ کے لغوی "دعائے خیر" کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ"[۲] اور ان کے لیے دعا کرو۔ اور (دوسرے معنی ہیں) اپنی رحمت ان پر نازل فرما۔ اصطلاح فقہ میں اس کے معنی ان اقوال و افعال (کے مجموعے) کے ہیں جو تکبیر (تحریمہ) سے شروع ہوتے اور سلام پر ختم ہوتے ہیں۔ اور اس کے لیے خاص شرائط ہیں۔ یہ تعریف اس نماز کو شامل ہے جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو۔[۳] نماز کے فرض ہونے کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ لکھنوی، علم الفقہ، ص:۱۱۷

۲۔ التوبہ:۱۰۳

۳۔ الجزیری، عبد الرحمن، کتاب الفقہ، علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور ۱۹۹۳، ص:۱/ ۲۷۹

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ اس آیت مبارکہ میں اقیمواالصلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور یہ امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب فعل کے لیے آتا ہے۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ[2] ترجمہ: "نگہبانی کرو، سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے"

نماز فرض ہے یہ نص سے ثابت ہے۔ اور شریعت نے انسان کو اس فرض کی ادائیگی میں بھی سہولت فراہم کی ہے۔ کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں تخفیف کی سہولت دی گئی ہے۔ مثلاً

ا۔ مریض اور معذور کی نماز ب۔ مسافر کی نماز

ا۔ مریض اور معذور کی نماز: نماز میں قیام فرض ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾[3]

ترجمہ: " (اے پیغمبر ﷺ) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو۔ اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔"

یہ حکم ایک صحت مند مسلمان کے لئے ہے۔ تاہم جو مریض ہو یا پھر معذور ہو تو اس کے نقص اور عاجز ہونے کی بناء پر شریعت نے سہولت دی ہے اور تخفیف کے احکام دیئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا۔ اس لیے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔[4]

نماز میں تخفیف اور سہولت کے ضمن میں کلیہ یہ ہے کہ "ایسا عذر (مرض یا معذوری) جس میں نمازی کو قیام سے ضرر پہنچے ایسی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ عذر قیام کے پہلے فرضوں سے ہو یا خود فرضوں کے اندر ہو۔ خواہ بسبب عذر حکمی کے قیام نہ کیا جا سکے اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ قیام سے

ا۔ البقرۃ:۴۳

۲۔ البقرۃ:۲۳۸

۳۔ بنی اسرائیل:۷۸

۴۔ صحیح البخاري، أبواب تقصیر الصلاۃ، باب إذالم یطق قاعدا صلی علی جنب، حدیث ۱۰۶۶، ص:۱/۳۷۶

بیماری بڑھ جائے گی یا قیام کی وجہ سے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس کرے، یا قیام کی وجہ سے زیادہ درد محسوس کرے، یا ایسا ہو کہ اگر نماز کھڑا ہو کر پڑھے گا تو پیشاب جاری ہو جائے گا، یا روزہ رکھنا دشوار ہو جائے گا، تو وہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اگر چہ تکیہ پر یا کسی آدمی پر سہارا دے کر بیٹھے کیونکہ یہ بیٹھنا اس پر لازم ہے۔ قول مختار کے بموجب اور بیٹھے جس طرح چاہے۔ اس لیے کہ مرض نے مریض سے ارکان کو ساقط کر دیا ہے۔ یعنی کسی خاص صورت پر بیٹھنا اس کے لیے ضروری نہیں۔[1]

ج۔ سجدہ سہو

انسان کو کچھ عوارض دائمی لاحق جبکہ کچھ عارضی لاحق ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات انسان کو نسیان، بھول وچوک ہو جاتی ہے۔ اور اس بھول وچوک میں انسان کے عمل دخل کا کوئی کردار نہیں لہٰذا بشری کمزوری کے پیش نظر نماز کی ادائیگی میں بھول وچوک کی صورت میں سجدہ سہو کی سہولت دی گئی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے۔

عبد الله بن بحينة ﷺ أنهقَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ مِنْ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَنَظَرْنَا تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ ثُمَّ سَلَّمَ.[2]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ظہر کی دو رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا، جب نماز پوری کر چکے تو دو سجدے کئے، پھر ان کے بعد سلام پھیرا۔

درج بالا حدیث مبارکہ سے دوران نماز بھول چوک کی صورت میں سجدۂ سہو کرنے کا استدلال ہے نیز سجدۂ سہو کا طریقہ بھی سکھایا گیا ہے۔

۱۔ الحصکفي، محمد بن علي (م:۱۰۸۸ھ)، الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار، دار الکتب العلمیة، ط:۲۰۰۲م، کتاب الصلاة باب صلوة المریض، ص:۱۰۱

۲۔ صحیح بخاری، أبواب السھو باب ماجاء في السھو إذا قام من رکعتي الفریضة، دار ابن کثیر، الیمامة-بیروت، ط:۱۹۸۷، حدیث ۱۱۶۶، ص:۱/۴۱۱

د- نماز قصر

حالتِ سفر میں انسان اپنے گھر سے دور ہوتا ہے۔اور انسان کو وہ سہولیات میسر نہیں ہوتی ہیں جو کہ اقامت کے دوران ہوتی ہے۔لہٰذا شریعت نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ مسافر اور مقیم کی نماز میں فرق ہو۔مسافر کو نماز قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔تاکہ نماز میں تخفیف ہو اور مسافر کے لیے نماز کی ادائیگی آسان ہو۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ-[۱] ترجمہ:"اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو"۔

نماز قصر کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ.[۲] پہلے نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی بعد میں سفر کی نماز تو اپنی اسی حالت پر رہ گئی البتہ حضر کی نماز پوری (چار رکعت) کر دی گئی۔

سفر کی شرعی مقدار مقرر کی گئی ہے۔نماز قصر کا اطلاق اس مسافر پر ہو گا جو شرعی سفر کی مقدار اور ایام کی مقرر تعداد سے زیادہ دن اقامت اختیار نہ کرے۔مسافر اپنے شہر سے نکلنے کے بعد اس وقت تک مسافر رہے گا جب تک دوسرے شہر میں داخل نہ ہو جائے اور شہر میں پندرہ دن یا پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے اور اگر پندرہ دن سے کم اقامت کی نیت کرے تو نماز قصر پڑھے۔[۳]

ر- صلاۃ الخوف

نماز کی ادائیگی میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اضطراری کیفیت میں انسان کے لئے سہولت اور آسانی ہو جیسا کہ جنگ کے موقع پر خوف بڑھ جاتا ہے اور کسی بھی لمحہ دشمن کے وار کا نشانہ بننے کا خدشہ موجود رہتا ہے ایسے ہنگامی اور جنگی حالات میں ادا کی جانے والی نماز کو صلاۃ الخوف کہا جاتا ہے۔چنانچہ حالتِ جنگ میں نماز کی ادائیگی کی صورت یہ بتائی

۱۔-النساء:۱۰۱

۲۔ القشیري، مسلم بن الحجاج، أبو الحسين، صحيح مسلم، دار الجيل بيروت، صلاة المسافرين، باب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، حديث ۱۶۰۲، ص ۲/۱۴۲

۳۔ المرغيناني، برهان الدين ابو الحسن علي بن ابي بكر فرغاني، الهداية في شرح بداية المبتدي، دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان، س۔ن، ص:۱/۸۰

گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾[۱]

ترجمہ: اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن (واطمینان) ہو جائے تو جس طریق سے خدا نے تم کو سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے خدا کو یاد کرو۔

اسی طرح دوران سفر یہ خوف ہو کہ دشمن نقصان پہنچائے گا۔ اور خوف واضطراب کی کیفیت کے پیش نظر نماز قصر کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا﴾[۲]

ترجمہ: اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دیں گے بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

درج بالا نصوص سے ثبت ہوتا ہے کہ حالات وزمانہ اور بشری استطاعت کے پیش نظر نماز کی ادائیگی میں تخفیف کو پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی فرضیت

کسی بھی معاشرے کی ترقی میں معیشت کو ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اور معاشرے کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ دولت گردش میں رہے اس سے خوشحالی معاشرے کے تمام افراد تک پہنچتی ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں بہت اہم اور گراں قدر تعلیمات واحکامات دیئے ہیں۔ اسلام کے ان سنہری اور آفاقی اصولوں کی اسلامی ریاست میں حقیقی معانی خوشحالی قائم ہوتی ہے جس تمام طبقات معاشرہ یکساں استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اسلامی معاشی اصول میں اہم ترین حکم زکوٰۃ کی ادائیگی کا ہے۔ عبادات میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے، جو کہ صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ البقرۃ:۲۳۹

۲۔ النساء:۱۰۱

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ [1]

ترجمہ: جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایاہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ [2]

ترجمہ " اور جوزکوۃادا کرتے ہیں "

زکوۃ کے مقاصد مالی کے ساتھ ساتھ روحانی بھی ہیں۔اور زکوۃ کے معاشرے پر دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔شارع نے زکوۃ کی ادائیگی میں انسانی استطاعت کو پیش نظر رکھاہے۔ذیلی سطور میں زکوۃ کی بجاآوری میں دی گئی آسانی (تیسیر) کاجائزہ پیش کیاگیاہے۔

زکوۃ کی ادائیگی میں تیسیر کے پہلو

زکوۃ ایک مالی عبادت ہے جو کہ شرعی نصاب پر سال مکمل ہونے پر اڑھائی فیصد ادا کی جاتی ہے اور زکوۃ کی ادائیگی سے انسانی زندگی میں بہت سی آسانیاں اور سہولیات پیدا ہوتی ہیں۔جو کہ درج ذیل نکات سے واضح ہوں گی۔

۱۔ زکوۃ مال کی پاکی کا ذریعہ

زکوۃ کے بہت سے فوائد ہیں۔زکوۃ کی ادائیگی سے معاشرے میں خوشحالی آتی ہے،اور مال پاک ہوجاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ [3]

ترجمہ:" بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا"

زکوۃ مال کو پاک کردیتی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ [4]

۱۔البقرۃ:۳

۲۔المومنون:۴

۳۔الاعلی:۱۴

۴۔التوبۃ:۱۰۳

ترجمہ: ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔

مال کے پاک ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ جب مال میں سے غریبوں، ضرورتمندوں، بے کسوں کا حق ادا کر دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد اس مال میں صاحب مال کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد کسی غیر کا حق اس میں متعلق نہیں رہتا اس لئے مال پاک ہو جاتا ہے۔ اور مال کی پاکی کی بنا پر اس میں خیر و برکت ہوتی ہے۔

ب۔ زکوٰۃ کے مصارف

قرآن پاک میں زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے صاحب نصاب کی شرائط عائد کی گئی ہے۔ اور ان مصارف کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ[۱]

ترجمہ: صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور خدا کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

درج بالا آیت مبارکہ میں معاشرے کے ان افراد کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو کہ عسرت اور تنگی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ مصارف زکوٰۃ پر غور کیا جائے تو اس کی حکمت اور مثبت دوررس اثرات واضح ہوں گئے کہ جب معاشرے میں گردش دولت کی صورتحال یقینی ہو تو معاشرے کے محروم طبقات میں بھی خوشحالی کی لہر پیدا ہو جائے گی۔ خوشحالی کے عام ہونے کی وجہ سے عوام الناس کا معیار زندگی بلند ہو گا۔

۱۔ التوبۃ:۶۰

ج۔ زکوٰۃ کے علاوہ خرچ کرنے کی بھی حوصلہ افزائی

اسلام میں زکوٰۃ کو فرض قرار دیا گیا ہے تاہم زکوٰۃ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس کا مقصد گردش دولت کی شرح میں اضافہ کرنا اور معاشرے میں حقیقی خوشحالی کا قیام ہے۔ اہل ایمان کی یہ صفت بیان گئی ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [1]

(جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر "اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور زکوٰۃ کے علاوہ صدقات، فطرانہ، کفارہ، عشر، وقف، ہبہ، وراثت وغیرہ کے احکامات دیئے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں گردش دولت ہو۔ اور دولت ووسائل چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہوں۔ انفاق فی سبیل اللہ میں یہاں تک تلقین کی گئی کہ باہمی رنجش اس میں حائل نہ ہو۔ جیسا کہ درج ذیل آیات مبارکہ میں وارد ہے۔

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [2]

(ترجمہ) اور قسم نہ کھالیں تم میں سے فضیلت اور کشادگی والے لوگ اس پر کہ وہ (اپنے اموال میں سے) دیں" قرابت داروں کو" مساکین کو اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

درج بالا آیت مبارکہ کی تفسیر اور شانِ نزول یہ ہے کہ واقعۂ افک میں جو دو تین مخلص مسلمان اپنی سادہ لوحی سے منافقوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے تھے، ان میں ایک حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مہاجر صحابی تھے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔ جب ان کو پتہ چلا کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

۱۔ البقرہ:۰۳

۲۔ النور:۲۲

بارے میں بدگمانی کی اور منافقین کا ساتھ دیا ہے۔، لیکن پھر (حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اپنے کئے پہ نادم ہوئے) اورانہوں نے سچے دل سے توبہ بھی کرلی تھی، اس لیے اللہ تعالی نے اس آیت میں متنبہ فرمایا کہ ان کی مالی مدد نہ کرنے کی قسم کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ جب انہوں نے توبہ کرلی ہے تو ان کو معاف کر دینا چاہئے۔ چناچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد ان کی مالی امداد دوبارہ جاری کر دی، اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا، اور فرمایا کہ آئندہ کبھی اس امداد کو بند نہیں کروں گا۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین احادیث نبوی ﷺ میں باکثرت ملتی اور جتنی استطاعت ہو صدقات دینا چاہئے۔ حضور ﷺ نے خود اس کی عملی تفسیر پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام سلف صالحین بالخصوص کیا کرتے تھے۔

عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ يَقُولُ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ[2]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی (مگر ضرور صدقہ کر کے دوزخ کی آگ سے بچنے کی کوشش کرو)۔

زکوۃ کا نصاب، اور اموال کی اقسام ، انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل ان سب کی تفصیل احادیث نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔ زکوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیمات سے ایک اجتماعی فضا ہموار ہوئی۔ جس میں افراد معاشرہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق حصہ لیتے اور اس معاشرہ میں باہمی محبت اور بھائی چارگی کو فروغ ملا۔ حب جاہ کے بجائے حب انسانیت کو تقویت ملی۔

اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کے احکام و تعلیمات اتنی مربوط و منظم ہیں اور اس سے دو طرح کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک دنیاوی مقصد جس سے معاشرے میں خوشحالی آتی ہے اور دولت کے ارتکاز کا خاتمہ ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اور مال کی محبت کم ہو جاتی ہے اور اس سے انسان کا تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔

۱۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ، تفسیر عثمانی، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۷، ص:۲/ ۶۷۵

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ والقلیل من الصدقۃ، حدیث:۱۳۵۱، ص:۲/ ۵۱۴

د۔ معاشی ترقی

معاشرے کی ترقی اور بقاء میں معیشت کا کردار کلیدی ہے۔معیشت کے تحت افرادِ معاشرہ اپنی روز مرّہ کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ریاست اور معاشرے کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ معیشت مضبوط ہو اور معیشت کی تشکیل ٹھوس اور جامع اصول پر مبنی ہو۔ اسلامی معیشت کے اصول آفاقی و دائمی، جامع اور متوازن ہیں ۔اسلامی معیشت کا مقصد مصالح اجتماعی کا تحفظ اور معاشرے کے تمام طبقات کا تحفظ ہے۔ معاشی و معاشرتی ترقی ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جس سے تمام لوگوں کے لئے بنیادی ضروریات زندگی اور سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔اس مقصد کے لیے انسانی اور مادی ذرائع کو اس انداز میں کام میں لانے کی ضرورت ہے کہ ملک میں پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہو۔

اسلامی ریاست میں معاشی ترقی اور درج بالا مقاصد کے حصول میں زکوٰۃ اہم کردار ادا کرے گی۔اسلامی معیشت میں معاشی ترقی کے بلند معیار کی وضاحت درج ذیل ڈائیگرام سے کی جاسکتی ہے۔

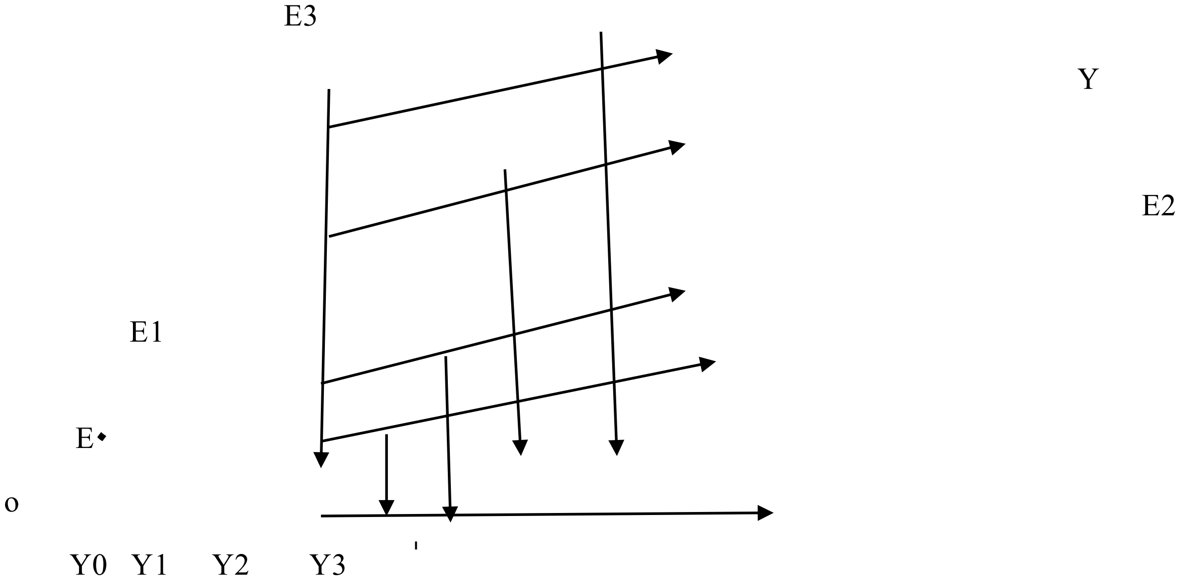

ڈائیگرام: زکوٰۃ اور معاشی ترقی

اس ڈائیگرام میں حقیقی صارفی پیداوار

C= صرف

c'= زکوٰۃ کی وجہ سے اضافہ شدہ صرف

G= سرکاری اخراجات

Z= زکوٰۃ، عشر، صدقات

Y0= زکوٰۃ سے پہلے قومی آمدنی

Y1= زکوٰۃ کے ساتھ قومی آمدنی

Y2= زکوٰۃ اور سرمایہ کاری کے ساتھ قومی آمدنی

Y3= سرکاری شعبہ کے اخراجات اور ضارب کے اثرات کے بعد قومی آمدنی

نتیجہ: ڈائیگرام سے واضح ہے کہ زکوٰۃ کے اثرات کی بناء پر اسلامی معیشت میں قومی آمدنی (اور روزگار) میں اضافہ ہوتا ہے۔[۱]

ر۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطیں

زکوٰۃ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ مجملہ ان کے " بالغ ہونا" ہے لہذا مجنون پر زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ تاہم ان کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور ان کے ولیوں (سرپرستوں) پر واجب ہے کہ (ان کی طرف سے) زکوٰۃ ادا کریں۔ یہ حکم تین اماموں کے نزدیک ہے۔

جبکہ احناف کہتے ہیں۔ کہ نابالغ بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لہذا ان کے ولیوں سے اس کے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ محض عبادت ہے اور ناقص اہلیت کے لوگ اس کے مکلف نہیں ہیں۔

(ان شرائط سے درج ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں)

وہ لوگ جو زکوٰۃ سے بری ہیں:

i۔ وجوب زکوٰۃ کے لیے ایک شرط صاحب مال کا آزاد ہونا ہے۔ لہذا غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ii۔ نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

iii۔ مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

iv۔ نصاب زکوٰۃ اگر پورے سال کے گزرنے سے پہلے تلف یا خرچ ہو گیا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔[۲]

۱۔ ڈار، پروفیسر عبدالحمید، اسلامی معاشیات، مرکزی کتب خانہ اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۳۸۸

۲۔ الجزیری، عبدالرحمن، کتاب الفقہ، ص: ۱/ ۹۵۹

۴۔ روزہ

روزہ ایک بدنی عبادت ہے۔ روزہ اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [۱]

ترجمہ: "اے اہل ایمان تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔ تاکہ تم پرہیز گار بنو"

روزہ عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ تاہم بشری کمزوریوں اور حالات واستعداد میں اختلاف کی وجہ سے فرض روزوں میں تخفیف کی گئی ہے۔ جیسے مریض، حاملہ عورت، مسافر، کبر سنی میں روزہ کی قضا رکھنے کی اجازت اور اگر مرض دائمی ہے یا بڑھاپا زیادہ ہے اور اچھے ہونے کی امید نہیں ہے تو پھر کفارہ کی سہولت دی گئی ہے ذیلی سطور میں روزہ کے دوران سہولت کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ا۔ روزہ توڑنے کے لیے جائز عذر مرض شدید تکلیف

متعدد عذر ایسے ہیں جن میں روزہ توڑنا جائز ہے۔ مثلاً اگر روزہ دار مریض ہو جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر روزہ باقی رکھا تو مرض بڑھ جائے گا یا یہ اندیشہ ہے کہ مرض سے جلد آرام نہیں ہو گا، یا یہ کہ اس حال میں روزہ سخت تکلیف کا موجب بن جائے گا اس پر تین ائمہ کا اتفاق ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے حالات میں روزہ توڑ دینا سنت ہے اور روزہ رکھنا مکروہ ہے، لیکن اگر ہلاک ہو جائے گا یا شدید مضرت کا گمان قوی ہو، مثلاً کسی چیز کے ناکارہ ہو جانے کا خوف ہو تو روزہ توڑ دینا واجب ہے اور روزہ رکھنا بالاتفاق حرام ہے۔ [۲]

(ب) مسافر کے لیے روزہ میں تخفیف

سفر میں انسان گھر جیسا آرام و سکون میسر نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ حالت سفر کی وجہ سے انسان بے آرامی اور اہل خانہ سے دوری کا شکار ہوتا ہے لہٰذا مسافر کے لیے روزہ میں تخفیف کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [۳]

۱۔ البقرۃ:۱۸۳

۲۔ الجزیری، عبد الرحمن، کتاب الفقہ، ص:۱/۹۲۸

۳۔ البقرۃ:۱۸۳

ترجمہ: "تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں (رکھے)"

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ جب مریض تندرست ہو جائے اور مسافر مقیم ہو جائے تو روزہ کی قضاء رکھے یعنی جب جسمانی و ذہنی طور پر روزہ کی مشقت کو برداشت کر سکے۔

(ج) ناتواں کو فدیہ کی صورت میں تخفیف

ایسے لوگ جو کمزور ہیں اور ضعیف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ روزہ کی قضاء نہیں کر سکیں گے۔ ان کے لیے اللہ رب العزت نے یہ آسانی پیدا فرمائی ہے کہ وہ روزوں کی قضاء کے بجائے فدیہ ادا کریں۔ جیسا کہ اس نص سے ظاہر ہے۔

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ﴾[۱]

ترجمہ: اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو اور بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے۔

۴ روزے سے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی کو ضرر کا اندیشہ

انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سواروں نے ہم پر رات میں حملہ کیا، تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، میں نے آپ ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "آؤ کھالو"، میں نے عرض کیا: "میں روزے سے ہوں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "قریب آؤ، میں تمہیں روزے کے بارے میں بتاؤں، اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور آدھی نماز معاف کر دی ہے، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے بھی روزہ کو معاف کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم نبی اکرم ﷺ نے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت دونوں لفظ کہے یا ان میں سے کوئی ایک لفظ کہا، تو ہائے افسوس اپنے آپ پر کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیوں نہیں کھایا۔

امام ترمذی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس کے علاوہ کوئی اور حدیث ہم نہیں جانتے جسے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہو، اہل علم کا اسی پر عمل ہے، بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں روزہ نہیں رکھیں گی، بعد میں قضاء کریں گی، اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلائیں گی۔ سفیان، مالک، شافعی

۱۔ الجزیری، عبد الرحمن، کتاب الفقہ، ص: ۱/ ۹۳۰

اور احمد اسی کے قائل ہیں،۵- بعض کہتے ہیں: وہ روزہ نہیں رکھیں گی بلکہ فقراء و مساکین کو کھانا کھلائیں گی۔ اور ان پر کوئی قضاء نہیں اور اگر وہ قضاء کرنا چاہیں تو ان پر کھانا کھلانا واجب نہیں۔ اسحاق بن راہویہ اسی کے قائل ہیں[1] مذکورہ بالا صورتوں میں اعذار شرعیہ کی بنیاد پر سہولت مہیا کی گئی ہے۔

۵۔ حج

حج مالی اور بدنی عبادت ہے۔ حج اتحاد، مساوات، محبت، بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ حج کے مقاصد عظیم ہیں۔ حج اسلام کا پانچواں عظیم رکن ہے۔ حج کی فرضیت کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾[2]

ترجمہ: "اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو"

حج میں تخفیف اور سہولت کا پہلو

حج میں اللہ نے بندوں کی آسانی کے درج ذیل تخفیف اور سہولت فرمائی۔

(ا) صاحب حیثیت پر فرض ہے

حج ایک مالی اور بدنی عبادت ہے اور اس کا مکلف ہر مسلمان کو نہیں بنایا گیا۔ بلکہ صرف اور صرف اس شخص کو فرض حج کی ادائیگی کا مکلف بنایا گیا ہے جو کہ صاحب استطاعت ہو۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾[3]

ترجمہ: "اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے۔ جو اس تک چل سکے۔

"درج بالا نص سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص جسمانی اور مالی طور پر صاحب حیثیت ہو اس پر حج فرض ہو گا۔ اور کسی شخص کو اس کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا۔ یعنی معذور، مجنون، پاگل، کبر سنی، مفلس، مساکین، فقراء اور جن کے پاس حج کے سفر، قیام و کھانے پینے کے اخراجات اور اہل خان کی ضروریات کی تکمیل کے مال نہ ہو وہ حج کی ادائیگی کے مکلف نہیں ہیں۔

۱۔ الترمذي، محمد بن عیسی أبو عیسی، سنن الترمذي، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، کتاب الصوم عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في الرخصة في الإفطار للحبلی والمرضع، حدیث:۷۱۵، ص:۳/۹۴

۲۔ البقرۃ:۱۹۲

۳۔ آل عمران:۹۷

(ب) حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے:

حج ایک عظیم عبادت ہے اور حج کی ادئیگی کے لئے جسمانی اور مالی طور پر صاحب استطاعت ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے۔

عن عليؓ بن أبي طالب قال : لما نزلت والله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا قالوا يا رسول اللهﷺ ! أفي كل عام ؟ فسكت فقالوا يا رسول الله ! في كل عام ؟ قال لا ولو قلت نعم لوجبت فأنزل الله {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ}[۱]

ترجمہ:" حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت(وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ..) نازل ہوئی یعنی آدمیوں میں جس کو راہ کی طاقت ہو اس پر حج فرض ہے۔ تو لوگوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے ؟۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس شخص نے دوبارہ سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اور آپ ﷺ نے انہیں کہا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (یعنی اے ایمان والو! نہ پوچھو بہت سی چیزوں کو اگر ظاہر ہوں تم پر تو بری لگیں تم کو یعنی شاق گزریں تم پر۔)نازل فرمائی۔

حج کے واجب ہونے کی شرائط

۱۔ مسلمان ہونا۔

۲۔ حج کی فرضیت سے واقف ہونا یا دار السلام میں ہونا۔

۳۔ بالغ ہونا نابالغ بچوں پر حج فرض نہیں۔

۴۔ عاقل ہونا، مجنون، ست، بیہوش پر حج فرض نہیں۔

۵۔ آزاد ہونا، لونڈی غلام پر حج فرض نہیں۔

۶۔ استطاعت یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو ضرورت اصلیہ سے اور قرض سے محفوظ ہو اور اس کے زادِ راہ اور سواری کے لیے کافی ہو جائے۔[۲]

۱۔ الترمذي ، محمد بن عيسى أبو عيسى السلمي، الجامع الصحيح سنن الترمذي، دار إحياء التراث العربي - بيروت، باب ما جاء : كم فرض الحج، حديث ۸۱۴، ص:۳/۱۷۸

۲۔ لکھنوی، علم الفقہ، ص:۵/۵۲۹

وجوب حج سے نابالغ، مجنون، بیہوش، غلام اور فقیر کو مستثنیٰ قرار دیا گیا اور جب تک یہ اعذار انہیں لاحق رہیں گے تب تک ان پر ادائیگی حج واجب نہیں رہے گی۔

معاملات میں تیسیر

۱۔ عقد بیع میں اصول یہ ہے کہ بیع معدوم ناجائز ہے[۱] کیونکہ معدوم چیز کی خرید وفروخت کی وجہ سے متعاقدین کے مابین تنازعہ کا اندیشہ رہتا ہے لیکن حاجت کی بناء پر اجارہ، عقد بیع مسلم اور عقد استصناع جو بیع معدوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جائز ہیں۔[۲] کیونکہ عام طور پر مارکیٹ میں اس کے بغیر تجار کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

۲۔ دین (قرض) کے بدلے دین ممنوع ہے لیکن حاجت کی بناء پر جائز ہے۔ جس میں ایک دین کے بدلے دوسرے دین کو قبول کیا جاتا ہے۔[۳] تاکہ ادائیگی دین میں آسانی رہے اور مدیون کے ساتھ ساتھ جس کی طرف ذمہ منتقل ہو وہ بھی سہولت میں رہے۔

۳۔ عقود میں غرر (معاہدہ کے کسی ضروری جزسے لاعلمی) کی بناء پر معاہدہ ناجائز قرار پاتا ہے۔ لیکن حاجت کی بناء پر جعالہ، اور مضاربت کو جائز قرار دیا گیا۔[۴]

۴۔ باہمی معاملات میں کسی شخص کے کسی حق کو کم نہیں کیا جاسکتا لیکن صلح کی صورت میں حاجت کی بناء پر کمی کی جا سکتی ہے۔[۵] کیونکہ بعض حقوق کے سوا عمومی طور پر اپنے حق سے دستبرداری جائز ہے۔

۵۔ سونے چاندی کے تبادلے میں ایک طرف سے تاجیل نہیں ہوسکتی۔ دونوں طرف سے ایک ہی وقت میں ہاتھوں ہاتھ لین دین ہونا چاہیے۔[۶]

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع۔ ص: ۱/۷۷۴/ ابن نجیم زین الدین بن إبراهیم بن محمد، (المتوفی: ۹۷۰ھ)، الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَان دار الكتب العلمية، بيروت–لبنان، ط:۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۹ء، ج۱، ص۷۸

۲۔ -سید سابق (م: ۱۴۲۰ھ)، فقه السنة، دار الكتاب العربي، بيروت–لبنان، ط:۱۹۷۷ء، ص:۳/۱۷۸

۳۔ أیضاً ص:۳/ ۲۱۲، ۲۱۳

۴۔ أیضاً، ص:۷۹

۵۔ السجستاني أبو داود سليمان بن الأشعث سنن أبي داود دار الكتاب العربي- بيروت، كتاب الأقضية، باب فِي الْقَضَاءِ، حديث ۳۶۳۸، ص: ۳/۳۵۲

۶۔ السجستاني أبو داود سليمان بن الأشعث سنن أبي داود دار الكتاب العربي- بيروت، كتاب الأقضية، باب فِي الْقَضَاءِ، حديث ۳۶۳۸، ص: ۳/۳۵۲

لیکن اگر قرض سونا، چاندی یا نقدی کی صورت میں ہو تو جائز ہے۔ حالانکہ اس میں لین دین ہاتھوں ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ الگ الگ اوقات میں ہوتا ہے اور ان اوقات میں خاصا وقفہ پایا جاتا ہے۔[۱]

۶۔ قرآن کریم میں معاہدے کی پابندی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ [۲]

(ترجمہ) یعنی وعدے کی پابندی کرو وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ [۳] یعنی عہد کی پابندی کرو۔ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا [٤]

(ترجمہ) یعنی عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" المومنون عند شروطهم" [۵] (ترجمہ) یعنی مومن اپنی طے کی ہوئی شرطوں کے پابند ہیں۔ ان اصولی پابندیوں کے باوجود خود شارع کی طرف سے حاجت، ضرورت اور مصلحت کے وقت مختلف قسم کے خیارات مہیا کیے گئے ہیں۔ مثلاً خیار بیع، خیار مجلس، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعین، خیار شرط، خیار رویت، خیار عیب، خیار غبن مع تعزیر[۶] ان خیارات کے ذریعے معاہدے کی بعض شروط سے انحراف کیا جاتا ہے تاکہ ضرر سے بچا جائے اور نقصان اٹھانے والے فریق کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔

۷۔ بیع بالوفا کا جواز حاجت کی بناء پر تھا۔ جب اہل بخارا پر قرضے کا بوجھ بڑھ گیا تو اس کی ضرورت پیش آئی۔ اور انہیں قرض کی زحمت سے بچانے کے لیے بیع بالوفا کو جائز قرار دیا گیا ہے۔[۷] اور حرمت سود سے بچنے کے لیے شرعی

۱۔ السید السابق، فقہ السنہ، ص:۳/۱۴۴۔۱۴۵

۲۔ المائدہ:۱

۳۔ الاسراء:۳۴

۴۔ الاسراء:۳۴

۵۔ الترمذي، الجامع الصحيح سنن الترمذي حديث ۱۳۵۲، کتاب الأحکام، باب ماذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في الصلح بين الناس، حديث:۱۳۵۲، ص۳/۶۳۶

۶۔ السید السابق، فقہ السنہ، ۳/۱۲۰۔۱۰۹، المرغيناني، الهداية، ۳/۵۵-۴۸-۳۰

۷۔ علي حيدر خواجہ أمين أفندي (م:۱۳۵۳ھ)، درر الحکام في شرح مجلة الأحکام، مکتبة النهضة، بيروتمادہ ۳۲ج ۱ ص ۳۲

حیلہ اختیار کیا گیا۔[1]

۸۔ نکاح کا تعلق معاملات عقود سے ہے۔ شریعت میں مردوں کے لیے اجنبی عورت کی طرف نظر کرنا ممنوع ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل حالات ضرورت میں ایسا کرنا جائز کر دیا گیا ہے۔ اور یہ اقدام سہولت کے پیش نظر ہیں۔

الف۔ نکاح کا پیغام دینے والا ایک نظر مخطوبہ (جس کو نکاح کا پیغام دیا جائے) کو دیکھ سکتا ہے۔

ب۔ شہادت کے لیے قاضی، گواہ عورت کو دیکھ سکتا ہے۔ یا گواہ کسی فریق عورت کو شناخت کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔

ج۔ عورت سے معاملہ کرتے وقت معاملے کا دوسرا فریق دیکھ سکتا ہے۔

د۔ علاج معالجے کی غرض سے طبیب عورت کو دیکھ سکتا ہے۔[2] کیونکہ ان تمام مذکورہ بالا صورتوں میں مجبوری کی بناء پر اجازت دی گئی ہے البتہ اگر متبادل حل ممکن ہو تو پھر اسی کو اختیار کیا جائے گا۔

بیع کی بعض صورتیں (نقصان دہ) ممنوع تھیں لیکن ضرورت وحاجت کے وقت انہیں جائز کر دیا گیا۔ مثلاً

الف۔ خلاف قیاس طور پر بیع سلم کی اجازت دی گئی۔

ب۔ بیع الامانت یعنی بیع الوفا کو جائز قرار دیا گیا۔

ج۔ انار اور انڈے وغیرہ کو چھلکے سمیت بیچنا جائز ہے۔ حالانکہ فریقین کو علم نہیں ہوتا کہ اندر سے یہ خراب ہے یا صحیح اور اس عذر کا امکان رہتا ہے۔

د۔ استصناع (آرڈر پر کوئی چیز بنوانا) بیع المعدوم ہے جو ممنوع ہے لیکن ضرورت اور بکثرت حاجت کے لیے اسے جائز تو ردیا گیا ہے۔[3] کیونکہ آرڈر دیتے وقت مبیع کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔

بیع میں دھوکہ، فریب اور غبن کی روک تھام کے لیے اور دیگر ضرورتوں کے پیش نظر حسب ذیل صورتیں جائز کی گئیں۔

ا۔ خیارات: متاثرہ فریق کے لیے اختیار باقی رکھا گیا کہ وہ معاہدہ کو منسوخ کر کے۔ ان میں خیار مجلس خیار شرط، خیار عیب، خیار غبن اور خیار رؤیت شامل ہیں۔

۱۔ محمصانی، ڈاکٹر صبحی، (مترجم احمد رضا اعظمی) فلسفہ شریعت اسلام، ندیم یونس پرنٹرز، اردو بازار لاہور، س ند، ص:۱۵۴-۱۴۹

۲۔ السیوطي عبد الرحمن بن أبي بکر (م:۹۱۱ھ)، الأشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ ط:۱۹۹۰ء، ص:۷۸

۳۔ ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، ص:۹۷

ب۔ اقالہ کسی فریق کو بیع کی حاجت نہ رہے تو بیع فسخ کر سکتا ہے،بشرطیکہ دوسرا فریق رضا مند ہو۔
ج۔ شفعہ :زمین وغیرہ کی خرید وفروخت میں بائع کے کسی ہمسائے یا شریک کو بیع سے ضرر پہنچنے کا خوف ہو تو وہ قاضی کے پاس دعویٰ کر کے انہیں شرائط پر وہ اراضی خرید سکتا ہے۔ جن شرائط پر مشتری نے خریدی تھی۔ دوسری صورت میں وہ اپنے آپ کو مشتری کی جگہ پر رکھوا سکتا ہے۔[1](۵۴) حالانکہ عمومی اصولوں اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ کہ فریقین کے درمیان طے شدہ معاملے میں کسی مداخلت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے لیکن شفیع کے وسیع تر مفادات کے پیش نظر اسے نقصان سے بچانے کے لئے حق شفعہ مشروع قرار دیا گیا

شریعت اسلامیہ کی رو سے دوسروں کی ملکیت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ۔ لیکن لوگوں کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرنے کے لیے مندرجہ ذیل صورتوں میں ان سے انتفاع جائز کر دیا گیا۔

الف۔ اجارہ:اس میں دوسرے شخص کی کوئی چیز کرایہ پر لے کر مدت معین تک اس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے۔

ب۔ اعاریت:اس میں دوسرے شخص کی کوئی چیز بلا کرایہ محض تبرع کے طور پر لے کر استعمال کی جاتی ہے اور ضرورت پوری ہونے کے بعد واپس کر دی جاتی ہے۔

ج۔ قرض:اس میں دوسرے شخص کی کوئی چیز لے کر استعمال کر لی جاتی ہے اور بعد میں اس کے بدل میں اسی طرح کی دوسری چیز واپس کر دی جاتی ہے۔

د۔ شرکت، مضاربت، مزارعت اور مساقاۃ ایسی صورتیں ہیں جن میں دوسرے شخص کی زمین یا مال استعمال ہوتا ہے اور بعد میں منافع میں فریقین شریک ہو جاتے ہیں۔ ان طریقوں سے لوگوں کی بے شمار ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے اپنے پیروکاروں کی ضروریات اور مجبوریوں کی بناء پر بہت سارے مسائل میں دفع حرج کے لئے آسانی کے پہلو اختیار کئے ہے۔

نتائج:

اس مقالے کی مندرجات کی بنیاد پر درج ذیل نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔

۱:شریعت اسلامیہ انسانی ضروریات اور مجبوریوں کا لحاظ رکھتی ہے۔

۱۔ ابن نجیم، الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ص:۱۰۱

۲۔ ایضاً، ص:۱۰۴۔۱۰۳

۲: بعض حالات میں عمومی اصولوں سے ہٹ کر تخفیف اور سہولتیں فراہم کرتیں ہے۔

۳: تخفیف اور یسر پیدا کرنا شریعت اسلامیہ کا مزاج ہے۔

۴: تخفیف کی صورت میں مشروع احکام کا اطلاق عمومی حالات میں نہیں ہو سکتا۔

۵: شریعت اسلامیہ نے عبادات میں مختلف قسم کی رخصتوں کے ذریعے آسانیاں پیدا کی ہیں۔

۶: شریعت اسلامیہ نے معاملات میں مختلف قسم کے بیوعات اور استثناءت کے ذریعے آسانی کے پہلو فراہم کر کے معاشی اور معاشرتی زندگی خوشگوار بنائی ہے۔